محمد جعفر پھلواروی

تاثّرات

قیام پاکستان کا تصور محض ایک مملکت کا تصور نہ تھا، بلکہ اپنی نوعیت کی یہ پہلی مملکت ہے جو مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی اساس پر وجود میں آئی ہے۔ پاکستان کی تحریک دو قومی نظریے کی بنیاد پر شروع کی گئی اور نہایت واضح الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار کر دیا گیا کہ برعظیم پاک و ہند کے مسلمان اپنا دین، اپنا کلچر، طرز بود و ماند، لباس، خوراک، فنون و ادبیات، زبان اور رسم الخط سب کچھ اکثریت والی قوم سے بالکل الگ رکھتے ہیں اور اس قوم کو اپنے تصورات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے ایک الگ وطن کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے اس مطالبے میں اس قدر طاقت تھی کہ شدید ترین مخالف بھی اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اسی بنیاد پر ہندوستان دو حصوں میں منقسم ہو گیا اور پاکستان قائم ہوا۔

مسلمان قوم کی ثقافت یقیناً دوسری قوموں سے الگ ہے اور اس ثقافت کا ایک بڑا ہی اہم جز زبان ہے۔ قوم کے ذہن اور اس کے تصورات پر زبان کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے اور اسی لیے بعض مدبّروں کا کہنا ہے کہ اگر کسی قوم کو یا اس کی تہذیب کو مٹانا ہو تو سب سے پہلے اس کی زبان کو مٹا دو۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کو تحریک پاکستان کے بنیادی مقاصد میں شامل کیا گیا اور قائداعظم نے نہایت واضح الفاظ میں بارہا یہ اعلان کیا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہو گی۔ یہی وہ زبان ہے جو ہم کو ہمارے دین اور ہماری تہذیب و ثقافت سے قریب تر رکھ سکتی ہے اور ہمارا تہذیبی و ثقافتی سرمایہ جتنا اردو زبان میں موجود ہے کسی اور زبان میں نہیں ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، منطق، فلسفہ، ادب، سائنس، کلام، مناظرہ،

فلکیات، تاریخ، جغرافیہ، نفسیات، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات، اخلاقیات، ریاضی، موسیقی اور دوسرے تمام علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں کون سی چیز ہے جس کا سرمایہ اردو زبان میں موجود نہیں۔ اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اردو میں نہ صرف بین المملکتی بلکہ بین الاقوامی زبان بننے کی پوری صلاحیت بھی موجود ہے۔

اب اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ اب تک اس پندرہ سال کی مدت میں ہم نے اردو کو قومی زبان بنانے کے لیے کتنی مخلصانہ کوشش کی اور انگریزی کی جگہ اردو کو دفتری اور تعلیمی زبان بنانے کے لیے کس قدر مؤثر اور عملی تدبیریں اختیار کیں تو ہم اس سوال کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکتے۔ ملک وملت کے مفاد کے پیش نظر یہ ہماری ایسی غفلت ہے جو کبھی معاف نہیں کی جا سکتی۔ بھارت نے سنسکرت آمیز ہندی جیسی مردہ زبان کی ترویج میں ہر ممکن کوشش کی اور اس کے حوصلہ افزا نتائج نکل رہے ہیں۔ ہندی کے برعکس اردو ایک زندہ، ترقی پذیر اور ملک گیر زبان ہے لیکن آج تک اردو نہ تو ہماری سرکاری زبان بن سکی۔ نہ دفتری اور نہ تعلیمی حالانکہ ہمارے سامنے برطانوی اور ریاستی ہند کی ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں جہاں اردو سرکاری و دفتری زبان کی حیثیت سے انگریزی سے بھی بہت زیادہ کامیاب ثابت ہوئی اور قدیم وجدید تمام علوم وفنون کے اعلیٰ ترین مدارج تک تعلیم دینے کے لیے اردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا گیا۔ اور اس کے نتائج نہایت مفید اور حوصلہ افزا نکلے۔

یہ ملک وقوم کی بدنصیبی ہے کہ ہم نے ان کامیاب اور مفید تجربوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور اب تک یہی سوچ رہے ہیں کہ اردو میں دفتری و تعلیمی زبان بننے کی کہاں تک صلاحیت ہے۔ یہ تو اردو کی سخت جانی ہے کہ وہ نہ تو بھارت میں ختم ہو سکی اور نہ پاکستان میں، اور اس میں زندہ رہنے اور آگے بڑھنے کی جو صلاحیت ہے اسی کے زور پر وہ قائم ہے اور ترقی کرتی جاتی ہے۔ ورنہ بتائیے کہ معاشرتی اور مملکتی سطح پر ہم نے اسے کیا سہارا دیا؟ اسے دفتری اور تعلیمی زبان بنانے کے لیے کون سا قانون نافذ کیا؟ کتنے کالجوں اور یونیورسٹیوں

میں پوری تعلیم اردو میں دی جاتی ہے ؟ اور کتنے دفاتر اور اداروں میں تمام کارروائیاں اردو میں ہوتی ہیں ؟

اس سلسلہ میں ایک اور ضروری بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بعض ایسے لوگ بدقسمتی سے موجود ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان ان کی آرزوؤں کے علی الرغم بن گیا ہے اور وہ اپنے احساسِ ناکامی و نامرادی کو تسکین دینے کے لیے ہر حیلے بہانے کوئی نہ کوئی قضیہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ لسانی اختلافات کا مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے جس کے تحت گمراہ کن پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اردو زبان کی ترقی علاقائی زبانوں کو مٹانے کے مترادف ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے قومی اسمبلی کے وجود کو صوبائی اسمبلیوں کی مخالفت کا ہم معنی قرار دیدیا جائے۔ قومی اور علاقائی زبانوں میں کوئی تصادم نہیں ہے بلکہ ان کی بقا و ترقی دونوں کے لیے مفید اور ضروری ہے۔ علاقائی زبانوں میں بھی ہمارا تہذیبی و ثقافتی سرمایہ کچھ کم نہیں ہے اور مغربی پاکستان کی تمام علاقائی زبانوں کا رسم الخط بھی اردو ہی جیسا ہے۔ پھر اپنے اس سرمایہ کو فنا کرنے اور علاقائی زبانوں کو مٹانے کا سوال ہی کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ ان تمام علاقائی زبانوں کی بقائے کامل کے ساتھ ساتھ یہاں کوئی مشترک قومی زبان بھی ہونی چاہیے یا نہیں۔ اس کا جواب اثبات ہی میں ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی زبان ہے جو مشترک قومی زبان بننے کی صلاحیت سے مالامال ہے؟ اس کا جواب انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی زبان اردو ہی ہے۔ صرف اردو ایسی زبان ہے جو ایک قومی زبان کا درجہ حاصل کر چکی ہے اور تمام علاقائی زبانوں کی جیدہ جیدہ اصطلاحات، محاورات، ضرب الامثال اور ثقافتی تصورات کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیتی ہے کہ کوئی اجنبیت نہیں محسوس ہوتی بلکہ وہ سارا سرمایہ اردو کا اپنا جزو لاینفک بن جاتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم نے ایک بالکل بدیسی زبان انگریزی کو اپنا لیا ہے اور اسے سرکاری زبان کے طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ لیکن اردو کو

جو ہماری قومی زبان ہے اگر سرکاری اور تعلیمی زبان بنانے کی کوشش کی جائے تو اس کو علاقائی زبانوں سے عداوت تصور کر لیا جائے۔ حالانکہ اردو کو اس کا صحیح مرتبہ دینا ملک و ملت کے اتحاد و استحکام کے لیے نہایت ضروری ہے۔

قائداعظم کی مادری زبان اردو نہ تھی لیکن ہماری تہذیب و ثقافت کے تحفظ اور قومی اتحاد کے لیے انھوں نے اردو کو قومی زبان قرار دیا۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے ماننے والوں نے اب تک حقیقت شناسی سے کام نہیں لیا۔ ہمارے سیاسی لیڈر سیاسی جوڑ توڑ اور اکھاڑ پچھاڑ میں لگے رہے اور قومی زبان کی ترویج و ترقی جیسی اہم ضرورت پر کوئی توجہ نہ کی۔ اور اس حقیقت کو محسوس کرنے سے قاصر رہے کہ قومی زبان کو سرکاری، دفتری اور تعلیمی، زبان بنانے میں جس قدر تاخیر ہو گی اتنا ہی اختلاف و انتشار بڑھے گا جو قومی مفاد کے لیے نقصان رساں ہوگا۔

ہم نے پندرہ سال ضائع کر دیے ہیں جن کی ہمارے ملک کی تعمیر و ترقی میں بڑی اہمیت تھی۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم اس نقصان کی ہر طرح تلافی کرنے کی کوشش کریں۔ اور اردو کو سرکاری دفتری اور تعلیمی زبان بنانے کے لیے پورے خلوص اور عزم و استقلال سے کام لیں کیونکہ اردو کو اس کا صحیح مرتبہ دینا ملک و ملت کے اتحاد و استحکام اور تہذیب و ثقافت کے فروغ کے لیے لازمی ہے۔